خواجہ غلام السیّدین

(1904ء–1971ء)

خواجہ غلام السیّدین ہریانہ کے تاریخی قصبے پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد خواجہ غلام الثّقلین علی گڑھ کالج کے نامور طالب علم تھے اور والدہ مشتاق فاطمہ حالؔی کی پوتی تھیں۔ غلام السیّدین کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم پانی پت میں ہوئی۔ کالج کی تعلیم کے لیے وہ علی گڑھ گئے جہاں انھوں نے بی۔اے اور بی۔ایڈ کیا اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے۔ وہاں سے آکر علی گڑھ ٹیچرز ٹریننگ کالج میں لیکچرر ہوئے اور پھر پرنسپل ہوگئے۔

خواجہ غلام السیّدین ماہرِ تعلیم تھے۔ انھوں نے آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد ہندوستان میں تعلیمی اُمور کے سلسلے میں کئی مقامات پر مختلف حیثیتوں سے کام کیا۔ انھوں نے گاندھی جی کی عملی تعلیم سے متعلق ڈاکٹر ذاکر حسین کے ساتھ خاکہ تیار کیا۔ غلام السیّدین کو اُردو زبان اور ادب سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ انھوں نے اردو میں تعلیم اور ادب سے متعلق کئی کتابیں لکھی ہیں۔ اُن کی مشہور کتاب ’آندھی میں چراغ‘ ہے جس پر انھیں ساہتیہ اکاڈمی کا انعام بھی ملا۔ حکومتِ ہند نے ان کی تعلیمی خدمات پر انھیں ’پدم بھوشن‘ کے خطاب سے نوازا۔ انھیں دنیا کے سات ماہرِین تعلیم میں شمار کیا جاتا تھا۔

خواجہ غلام السیّدین کی نثر نہایت سادہ لیکن پُرزور اور موثر ہوتی ہے۔ وہ اپنی بات کو بیان کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے الفاظ سے وہ کام لیتے ہیں جو بہت سے لوگ بڑے بڑے الفاظ سے بھی نہیں لے سکتے۔

© NCERT not to be republished

4914CH07

جینے کا سلیقہ

© NCERT not to be republished

میں ایسے مشاہیر کی صحبت میں بیٹھا ہوں جن کی گفتگو میں وہ لوچ، دل آویزی اور سلیقہ ہوتا تھا کہ وہاں سے اُٹھنے کو دل نہ چاہے مثلاً سر تیج بہادر سپرو، سروجنی نائیڈو، مولانا آزاد، سیّد راس مسعود، ڈاکٹر اقبال، ڈاکٹر ذاکر حسین، یعنی یہ کیفیت کہ: وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی

اس کشش کی وجہ محض یہ نہ تھی کہ وہ زبان پر قدرت رکھتے تھے یا رکھتے ہیں بلکہ ان کا دماغ روشن اور مرتّب تھا۔ اُنھیں دراصل کچھ کہنا ہوتا تھا۔ ان کی سیرت ان کے تجربوں سے مالا مال تھی۔ وہ اپنے سُننے والوں میں دلچسپی رکھتے تھے۔ انھیں اپنی زندگی اور تجربوں میں شریک کرنا چاہتے تھے۔ اور جمہوریت کے اس زمانے میں جب زبان سے ترغیب اور تبادلۂ خیال کا زیادہ سے زیادہ کام لیا جاتا ہے، اچھّی گفتگو نہ صرف ایک سماجی ہنر ہے بلکہ ایک سیاسی ہتھیار بھی ہے، جس کا صحیح استعمال سیکھنا ضروری ہے۔

اچھّے لوگوں اور اچھّی کتابوں کی صحبت کے علاوہ تیسری چیز جو اچھّی زندگی کی بنیاد ہے، وہ کام ہے۔ اس سے متعلق ہمارے صدر محترم ذاکر حسین نے اپنے ایک خطبے میں لکھا ہے کہ ”کام بے مقصد نہیں ہوتا۔ کام کچھ کر کے وقت کاٹ دینے کا نام نہیں، کام خالی دل لگی نہیں، کام کھیل نہیں، کام کام ہے۔ بامقصد محنت ہے۔ کام دشمن کی طرح آپ اپنا محاسبہ کرتا ہے اور اس میں جو پورا اُترتا ہے، تو وہ خوشی دیتا ہے جو اور کہیں نہیں ملتی۔ کام ریاضت ہے، کام عبادت ہے۔“ واقعہ یہ ہے کہ انسان کی شخصیت اس وقت تک کسی حسین سانچے میں نہیں ڈھل سکتی، جب تک اس کے دل

میں اس انداز سے کام کرنے کی لگن پیدا نہ ہو، حقیر سے حقیر کام میں معنی اور لطف پیدا ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ کام کرنے والا اس کا رشتہ بڑے مقصد کے ساتھ قائم کرے۔ دو مزدور ایک پہاڑ پر پتھّر توڑ رہے تھے۔ ایک رہ گیر نے پہلے سے پوچھا ''تم کیا کر رہے ہو؟'' اس نے جل کر جواب دیا۔ ''دیکھتے نہیں ہو، اپنی قسمت کے لکھے پتھر پھوڑ رہا ہوں۔'' ذرا اور آگے بڑھ کر اس نے دوسرے مزدور سے بھی یہی سوال کیا تو اس نے بہت فخر اور خوشی کے ساتھ جواب دیا۔ ''میں ایک گرجا کی تعمیر کر رہا ہوں۔'' دیکھا آپ نے؟ پتھّر وہی تھے لیکن ایک مزدور ان سے اپنی قسمت پھوڑ رہا تھا، اور دوسرا ایک عبادت گاہ بنانے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ہمارے ملک میں نہ صرف طلبہ بلکہ سب لوگوں کو کام کرنے کے صحیح آداب سکھانے کی ضرورت ہے۔ کسی کام کو سرسری انداز میں کرنا گویا سر سے ایک ناگوار بوجھ اتارنا ہے، نہ اس میں خوشی تلاش کرنا، نہ پانا، نہ اس حسین تکمیل میں فخر محسوس کرنا، نہ اس کے ذریعے اپنی دنیا کو سمجھنا اور اپنے ہم جنسوں کے دُکھ سُکھ میں شریک ہونا۔ یہ سب نہ تو ذہنی دیانت کا تقاضا ہے، نہ اخلاق کا۔ زندگی خدا کا ایک انمول عطیہ ہے اور وہ تمام صلاحیتیں اور ہنرمندیاں اور جوہر، جو اس کے ساتھ قدرت ہمارے کیسے میں ڈالتی ہے، ان کی قیمت انسان صرف کام کے ذریعے اور کام کے سکّے میں ادا کرسکتا ہے۔ جو شخص اس قیمت کو خوش دلی اور ایمانداری کے ساتھ ادا نہیں کرتا، اس کی حیثیت میرے نزدیک ایک چور کی ہے وہ خود کا چور ہے، سماج کا چور اور خدا کا چور ہے۔

لیکن جینے کا سلیقہ صرف بڑے بڑے اصولوں کی پابندی پر ہی منحصر نہیں۔ اس میں بہت سی چھوٹی چیزیں بھی ہیں۔ ایک معمولی انسان کی زندگی کا ہر لمحہ ایسی سطح پر بسر نہیں ہوتا جہاں ہر قدم پر منصور کی طرح انا الحق کہنے کی ضرورت ہے۔ اس میں اس سے بھی زیادہ اہمیت ہے۔ ایسی بظاہر معمولی صفات کی جو انسانی رشتوں میں خوشگواری پیدا کرتی ہیں۔ یہ کون سی صفات ہیں؟ آپس

کے میل جول میں دوستی اور مہربانی، معاملات میں انصاف، سچّائی اور بھروسا، مل جل کر کام کرنا، دوسروں کے حقوق کی پاسداری اور ان کی رائے کا احترام، خوش مزاجی اور ظرافت اور خواہ مخواہ کی دل شکنی اور بدگوئی سے پرہیز۔ میرا خیال ہے کہ ہماری آئے دن کی زندگی میں بہت سے نفسیاتی دکھ اور محرومیاں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ ہم اپنے دوستوں، عزیزوں اور ہم جنسوں سے مہربانی، فیّاضی اور ہمدردی کا سلوک نہیں کرتے۔ ان کے بارے میں دوسرے لوگوں کے سامنے غیر ذمے داری کے ساتھ ایسی بات چیت کرتے ہیں جس سے ان کی نیک نامی پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ یا محض تفریحاً اور گرمیِ محفل کی خاطر ایسی گفتگو میں شامل ہو جاتے ہیں۔ دوسروں کی برائی کو بغیر جانچ پڑتال کے آسانی سے مان لیتے ہیں، ان کو شبہ کا فائدہ بھی نہیں دیتے بلکہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ بے قصور ہیں، ہم جرأت سے کام لے کر ان کے حق میں کلمۂ خیر نہیں کہتے۔ لیکن دراصل لوگوں کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا اور ان کی اچھّی باتوں کی تلاش اور قدر کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم ان کی طرف سے بدظن رہیں اور ان کی عیب جوئی کرتے رہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بعض دفعہ انسان ہر کسی کو شریف اور قابلِ اعتماد سمجھ کر نقصان اٹھاتا ہے لیکن اخلاقی اور سماجی اعتبار سے یہ نقصان بہت کم ہے اور اس کے مقابلے میں دل تنگی، بدبینی اور شبہے کی ذہنیت سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ جو شخص اس قسم کی طبیعت اور دل و دماغ رکھتا ہے، وہ عمر بھر کے لیے ایک روگ خرید لیتا ہے، نہ خود خوش رہ سکتا ہے، نہ دوسروں کو خوش رکھتا ہے۔ برخلاف اس کے خوش مزاجی روزمرّہ کی زندگی اور رشتوں میں لطف اور شیرینی پیدا کرتی ہے اور صحیح قسم کی ظرافت بہت سی ناگواریوں کا علاج ہے۔ وہ ظرافت جس کا مقصد دل دُکھانا نہ ہو، جو دل سوزی اور ہمدردی کے ساتھ حماقتوں پر طنز کرے، لیکن کسی کی ذاتی تحقیر نہ کرے، جو دوسروں سے زیادہ خود اپنی حماقتوں کا خاکہ اڑائے اور اپنے بارے میں دوسروں کی ظرافت کو جھیل سکے۔ جو شخص خود کو بہت اہم سمجھتا ہے، اپنی شان میں گستاخی نہیں کر سکتا،

اپنے کوتنقید سے بلند اور دوسروں کو اپنے سے کمتر جانتا ہے، جس کی طبیعت میں ضبط نہیں، جس کا مزاج آسانی سے بھڑک اٹھتا ہے، جو اپنی دولت یا خاندان یا منصب کو نہ بھول سکے، خود بھی ان سے مرعوب رہے اور دوسروں پر بھی ان کا رعب ڈالنا چاہے، وہ جینے کے سلیقے سے بالکل نا آشنا ہے۔ اگر ہماری تعلیم خود پسندی اور خود پرستی کے ان بتوں کو نہ توڑے اور لوگوں کو خود پرستی کے ساتھ احتساب کرنا اور دوسروں کے ساتھ سمجھ داری اور نرمی کے ساتھ پیش آنا نہ سکھائے تو وہ زندگی کے لیے تیار نہیں کرسکتی۔ یہ انکسار اور خود شناسی کی صفت بھی زندگی کے گونا گوں نقشے میں ایک لطیف رنگ بھرتی ہے۔ بات صرف اتنی ہی نہیں کہ اخلاقی اعتبار سے ایک کُھلا دل، ایک فیّاض طبیعت، تنگ دلی سے بہتر ہے، بلکہ دوسرے لوگ جو سلوک ہم سے کرتے ہیں، وہ کبھی بڑی حد تک اس سلوک پر منحصر ہے جو ہم ان کے ساتھ کرتے ہیں۔ اگر ہم ان کے ساتھ دوستی، نیک نیتی اور بھروسے کے ساتھ پیش آئیں تو توقع ہوسکتی ہے کہ ان کا رویّہ بھی ہمارے ساتھ دوستانہ ہو لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص جو میرے ساتھ اچھّا سلوک کرتا ہے، وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرے۔ اگر وہ اس کے ساتھ شرافت سے پیش نہ آئیں۔ یعنی لوگ صرف سفید و سیاہ رنگ میں رنگے نہیں ہوتے کہ سب کے ساتھ اچھّے ثابت ہوں گے یا برے۔ دراصل دوسروں کی فطرت کی خوبیوں کو اُجاگر کرنا ایک حد تک خود ہمارے اختیار میں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ یک طرفہ نیکی کرنے میں بڑی برکت ہے، خواہ لوگ اس بات کو مانیں یا نہ مانیں، نیکی میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اکثر بدی کے ہتھیار رکھوا لیتی ہے۔ اگر ہم میں اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ جس بات کو نیک اور سچ سمجھتے ہیں، وہی کریں اور اس کی زیادہ فکر نہ کریں کہ دوسرے کیا کرتے ہیں، تو ہم دھیرے دھیرے اپنے مخالفوں کے دل کو جیت سکتے ہیں۔ نیکی بھی بدی کی طرح متعدّی ہے، اس کا اثر دور دور تک پھیلتا ہے۔ اگر ہم روزمرّہ کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں چھوٹی چھوٹی باتوں میں نیکی اور سچّائی

سے کام لیں، تو وہ آہستہ آہستہ ہماری ساری زندگی کے کاروبار میں راہ پا جاتی ہے اور جب کبھی کوئی ایسی نازک صورتِ حال پیش آتی ہے جہاں ہمیں خیر و شر کی ازلی جنگ میں حصّہ لینا پڑتا ہے اور اپنی تقدیر کو بنانے یا بگاڑنے والے فیصلے کرنے ہوں تو عمر بھر کی یہ عادتیں اور رجحان ہمارے کام آتے ہیں۔ اس طرح زندگی کے چھوٹے اور بڑے کاموں میں ایک نفسیاتی رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور بقول پیغمبرِ اسلامؐ کے ساری دنیا ایک 'مسجد' بن جاتی ہے، جہاں انسان ہر کام اس انداز سے کرتا ہے گویا وہ اپنے بنانے والے کے سامنے کھڑا عبادت کر رہا ہے۔ بہت مشکل ہے ایسی کیفیت پیدا کرنا اپنے دل و دماغ میں، لیکن یہ سب مذہبوں کی مشترک تعلیم ہے اور بہت سے مردانِ خدا نے بلکہ بہت سے نیک اور گمنام لوگوں نے بھی اس شان کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ اور پھر کیسی قوّت پیدا ہو جاتی ہے ایسے لوگوں میں کہ موت بھی انھیں زیر نہیں کر سکتی۔ ایک نظر سے دیکھیے تو انسان کی زندگی ایک ٹمٹماتے چراغ کی طرح ہے، جو چند لمحوں کے لیے روشن ہوتا ہے اور پھر موت کی ایک ہلکی سی پھونک اُسے بجھا دیتی ہے لیکن جب کوئی انسان اپنی زندگی کو بڑے مقاصد کے ساتھ وابستہ کر لیتا ہے اور ان کی قدروں کا حامل بن جاتا ہے اور انھیں روزمرّہ کی زندگی میں برتتا ہے، تو کوئی آندھی اس چراغ کو نہیں بجھا سکتی۔ موت اس کے جسم کو فنا کر دیتی ہے، لیکن اس کے دماغ کی جولانی، اس کے دل کا گداز، اس کی روح کی بلندی، اس کے مقصد کی تابانی قائم رہتی ہے اور تھکے ماندے، راستے سے بھٹکے مسافروں کی ہمّت بڑھاتی ہے۔ اس قسم کے چراغ جلانا ہر انسان کا فرض ہے اور چراغ کا کمال یہ ہے کہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو، ساری دنیا کا اندھیرا بھی اسے نہیں بجھا سکتا۔ لیکن انسان کی شخصیت کو صرف فکر کی روشنی اور کام کی تپسیا ہی 'تاج محل' نہیں بناتی۔ اس کو جذبات کی دولت بھی ملی ہے جن کی صحیح تربیت کے بغیر اس کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔ اس مقصد کے لیے اس کی حُسن شناسی اور حُسن آفرینی کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنا اور اس میں ذوقِ جمال کی شمع

جلانا ضروری ہے۔ خوبصورتی سے لطف اٹھانے کی صلاحیت قدرت کی ایک انمول دین ہے، جو زندگی میں مسرّت کا رنگ بھرتی ہے اور اس کو طرح طرح سے مالا مال کرتی ہے، خواہ وہ خوبصورتی عالمِ فطرت میں پائی جائے یا انسانوں کے خدوخال میں، یا علم اور حق کی تلاش میں یا آرٹ اور دستکاری کی تخلیق میں۔

خواجہ غلام السیّدین

مشق

لفظ و معنی

مشاہیر : مشہور کی جمع، یعنی مشہور لوگ

دل آویزی : دل کو کھینچنے کی صفت

محاسبہ کرنا : حساب کرنا، جائزہ لینا

ریاضت : محنت، جدوجہد

کیسہ : تھیلی

حقیر : بے وقعت

تکمیل : مکمّل کرنا، مکمّل ہونا

عطیہ : بخشش، انعام

منصور : ایک مشہور صوفی جنھیں ان کے خیالات کی وجہ سے سزائے موت دی گئی تھی

اناالحق : (عربی) میں مطلق حق ہوں، یعنی میں خدا ہوں

© NCERT not to be republished

بدگوئی	:	بُرا کہنا
کلمۂ خیر	:	اچھّی بات
حسنِ ظن	:	نیک خیال، اچھّا خیال
اعتماد	:	یقین
تحقیر	:	کسی کو حقارت کی نظر سے دیکھنا، کم تر ٹھہرانا
منصب	:	عہدہ
گُوناگُوں	:	قسم قسم کے
اجاگر کرنا	:	روشن کرنا، ظاہر کرنا
متعدّی	:	کوئی چیز، مثلاً بیماری جو چھوت سے لگتی ہو
اَزل	:	ہمیشگی

غور کرنے کی بات

- جینے کا سلیقہ خواجہ غلام السیّدین کا بہت اچھّا مضمون ہے۔ اس میں مصنف نے صحیح معنوں میں زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا ہے۔ ان کے نزدیک زندگی گزارنے کے لیے جہاں اچھّے لوگوں کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے وہاں کام کرنا بھی اچھّی زندگی کے لیے بہت ضروری ہے۔
- دنیا میں جتنے بھی بڑے لوگ گزرے ہیں اگر آپ ان کی زندگی کے حالات پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر بڑے انسان کے پیچھے اس کے اچھے کام ہیں جنھوں نے اس کے نام کو زندہ رکھا ہے لیکن بڑا آدمی بننے کے لیے انسان کو بہت سی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

سوالوں کے جواب لکھیے

1. ڈاکٹر ذاکر حسین نے کام کی کیا اہمیت بتائی ہے؟

2. دل تنگی، بدنیتی اور شبہے کی ذہنیت کس طرح گھاٹے کا سودا ہے؟
3. مصنّف کی نظر میں کیسے لوگ جینے کے سلیقے سے نا آشنا ہیں؟
4. اچھی گفتگو کے ذریعے ہم کس طرح کامیابی حاصل کر سکتے ہیں؟
5. مصنّف نے اس مضمون میں کیا سمجھانے کی کوشش کی ہے؟ مختصر لکھیے۔

عملی کام

- ''چراغ کا کمال یہ ہے کہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو ساری دنیا کا اندھیرا اسے نہیں بجھا سکتا۔'' اسی طرح کے چند جملے جو آپ کو اچھے لگے ہوں انھیں اپنی کاپی میں لکھیے اور زبانی یاد کیجیے۔
- اس مضمون میں ایک جگہ دو لفظ آئے ہیں بامقصد اور بے مقصد۔ ان الفاظ میں صرف 'بے' اور 'با' کے استعمال سے لفظ کے معنی ہی بدل گئے ہیں یعنی بامقصد جس کا کوئی مقصد ہو اور بے مقصد جس کا کوئی مقصد نہ ہو۔ آپ بھی ایسے چند الفاظ لکھیے جن میں 'بے' اور 'با' کا استعمال کیا گیا ہو۔
- مصنّف اپنی بات میں زور اور اثر پیدا کرنے کے لیے کبھی کبھی تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس مضمون میں بھی مصنّف نے ایک صوفی حضرت منصور حلاج کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے ایک خاص کیفیت میں 'اناالحق' (میں خدا ہوں) کہہ دیا تھا۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے بادشاہِ وقت نے انھیں سزائے موت دی تھی۔

اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ مندرجہ ذیل تاریخی اشارات کے بارے میں اپنے استاد سے پوچھ کر لکھیے:

قارون کا خزانہ، نمرود کی خدائی، حسنِ یوسف

- نیچے لکھے ہوئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے:

تکمیل، عطیہ، منصب، اعتماد

© NCERT not to be republished